مولانا غلام رسول مہر رح

پیکرِ عزیمتؒ

چودھری افضل حق مرحوم کا نام زبان پر آتے ہی ایک ایسی شخصیت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، جو فکری، اخلاقی اور عملی خوبیوں کی جامعیت کے لحاظ سے اپنی زندگی میں بھی بہت ممتاز سمجھی جاتی تھی اور اب تو یہ خوبیاں انفرادی حیثیت میں بھی بہت ہی کم پائی جاتی ہیں۔ ان کی جامعیت کا خزینہ کہاں ملے گا؟ زمانے کے اوضاع و اطوار بدل گئے فکر و نظر کے زاویوں میں حد درجہ رنج افزا تغیر پیدا ہو گیا، تربیت کے وہ سانچے ہی باقی نہ رہے، جن میں چودھری صاحب جیسے بلند پایہ افراد ڈھلتے تھے۔ قومی خدمت کے اِن تصوّرات کا شیرازہ ہی بکھر گیا جن کا پرچم چودھری صاحب مرحوم اور ان کے رفقاء ربع صدی سے زیادہ مدت تک ملک کی فضا میں انتہائی بلندیوں پر اُڑاتے رہے۔ اب تو ایسی شخصیتوں کی داستان کا سررشتہ بیان سنبھالتے ہوئے بھی سو مرتبہ تامل ہوتا ہے کہ جو کچھ سنانا ہے، اسے سننے اور سمجھنے والے بھی بڑی حد تک ناپید نظر آتے ہیں۔ جن خوبیوں کو روزِ اول سے قوم کی عظمت و برتری کے محکم و پائدار معیار سمجھا جاتا تھا اور حصول آزادی کے بعد جن کی عمومیت و فراوانی کے لئے اُمیدیں اور آرزوئیں چشم براہ تھیں، وہ اِس طرح گم ہو گئیں کہ تلاش و جستجو کے چراغ لے کر ان کا کھوج لگانے کی ہمت بھی مضمحل ہو کر رہ گئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس حالت میں کیا لکھا جائے، کیا سنایا جائے، اور کیا عرض کیا جائے۔

شانِ عزیمت: چودھری صاحب مرحوم اس زمانے میں ایک اچھی ملازمت چھوڑ کر قومی اور ملکی خدمت کے میدان میں آئے تھے، جب اس وسیع ملک کے اندر جو اب دو آزاد مملکتوں میں بٹا ہوا ہے۔ اجنبی حکومت کے خلاف ایک غیر معمولی طوفان بپا ہوا تھا اور اس کے چپّے چپّے میں اخلاص و ایثار کے چشمے اُبل پڑے تھے۔ آپ نے بارہا دیکھا ہوگا کہ فضا بالکل ساکن ہے۔ ہوا کی بندش کا یہ حال ہے کہ ایک پتّا بھی ہلتا ہوا نظر نہیں آتا۔ پھر یکایک ایک شدید آندھی آجاتی ہے جو ذرّے ذرّے میں قیامت کی جنبش پیدا کر دیتی ہے۔ یہ ترکِ موالات کی تحریک تھی، جس نے اچانک ہمہ گیر بیداری اور بے پناہ آزادی کا جوش و خروش

پیدا کر دیا۔ یہی زمانہ ہے جس میں چودھری صاحب مرحوم نے پولیس کی افسری چھوڑی، جو شخص خود جرائم کی تفتیش اور قانون شکنوں کی چھان بین کے بعد ملزموں کو ہتھکڑیاں لگا کر عدالتوں میں پیش کیا کرتا تھا۔ وہ خود اس منصب حکم و اختیار کو ترک کر کے اپنے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہننے کے لئے تیار ہو گیا۔ تاکہ یہ ملک اجنبی اقتدار کی ہتھکڑیوں اور بیڑیوں سے نجات حاصل کر سکے۔ آج دو قرن کی مدت گزر جانے کے بعد اس واقعہ کو ایک کہانی کے طور پر پیش کیا جائے تو ہر شخص اس کی اہمیت کا اندازہ شائد نہ کر سکے۔ لیکن ۱۹۲۱ء میں یہ بہت بڑی عزیمت کا اقدام تھا۔ عزیمت کے ایسے ہی اقدامات تھے جن کی کرشمہ فرمائیوں نے کلیۃً بن کر آزادی کے بند دروازے کھولے۔

چودھری صاحب ایک خوشحال گھرانے کے چشم و چراغ تھے پھر معقول سرکاری ملازمت پر فائز ہو گئے تھے۔ اطمینان فارغ البالی کی زندگی میسر تھی۔ وہ اپنی مشغولیت جاری رکھتے تو بڑے منصب پر پہنچ کر وظیفہ لیتے لیکن ان کے دردمند دل نے ذاتی اطمینان کو قومی و اجتماعی بے اطمینانی پر مقدم رکھنا گوارا نہ کیا۔ قومیں ایسے ہی افراد کی بدولت عزت و اکرام کے تاج پہنتی ہیں جو اجتماعی بہبود کے لئے اپنی ہر شئے بے تکلف قربان کر دینے پر آمادہ ہوں۔ جس قوم میں ایسے افراد کی متاع عزیز فرومایہ رہ جائے، سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کی تقدیر کے ستارے کا چراغ بجھنے والا ہے۔

جہادِ آزادی: اس وقت سے چودھری صاحب نے اپنی زندگی قوم و ملک کی خدمت کے لئے وقف کر دی۔ انہوں نے اس دور میں بندش و اسیری کی سختیاں صابرانہ برداشت کیں۔ جب اس میدان میں قدم رکھنا ایسے ہی جلیل القدر افراد کا کام تھا۔ جن کے ارادے بلند، ہمتیں استوار، عزائم محکم اور دل یقین کی روح سے معمور تھے۔ جو جانتے تھے کہ اجنبی اقتدار کی سنگینی کو توڑنے کی صورت ایک اور صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سے بے باکانہ ٹکرایا جائے اس پر پے در پے ضربیں لگائی جائیں۔ اگرچہ اس جہاد میں ہاتھ پاؤں اور پیشانیاں جراحت زار بن جائیں۔ چودھری صاحب مرحوم نے یہ قومی اور مذہبی فرض جس شان سے ادا کیا۔ وہ ہماری تاریخ آزادی کا ایک نہایت درخشاں باب ہے۔ ممکن ہے آج ایسے بلند پایہ مجاہدوں کی پُر اخلاص خدمت گزاریوں کا صحیح احساس بہت کم اصحاب کو ہو لیکن اس سے ان کے جہاد کی عظمت کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ وہ لوگ دنیا کے اعتراف و ستائش سے یکسر بے نیاز تھے اور جو دل بلند مقاصد کے عشق و شیفتگی میں گم ہوں۔ ان میں اعتراف و ستائش کی طلب کے لئے گنجائش ہی کہاں باقی رہتی ہے۔ البتہ جو قوم ایسے محسنوں کی یاد سے غافل ہو جائے اس پر یقیناً افسوس ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ وہ اس فرزاں دولت سے اعراض کی مجرم ٹھہرتی ہے۔ جو قوم کی زندگی کا حقیقی سرمایہ ہے۔ جو قوم کی زندگی کا حقیقی سرمایہ ہے۔ اور جس کی ہمہ گیر ہر دلعزیزی کے بغیر قوم کی ترقی کا خانہ بے چراغ

قابلِ فخر استقامت: چودھری صاحب مرحوم فکر و تدبر، اخلاص و ایثار اور ہمت و عزیمت کا ایک عجیب و غریب پہلو تھے۔ ان کا جسم خلقاً بھی کمزور تھا۔ پھر قومی خدمت کے شدائد نے ان کی صحت تباہ کر ڈالی۔ انہیں تنفس کا دورہ شروع ہوتا تھا تو زندگی کے لالے پڑ جاتے تھے۔ تاہم انہوں نے خدمت کے میدان سے حیاتِ مستعار کے آخری سانس تک ایک لمحے کے لئے بھی کنارہ کشی گوارا نہ کی۔ وہ برسوں خلافت اور کانگریس میں روحِ رواں بنے رہے۔ ترکِ موالات کے دوران میں ہزاروں افراد ان کے رفیق تھے۔ ان میں سے بہتیرے تھے جو تحریک کی گرم جوشیوں میں افسردگی پیدا ہوتے ہی اپنے سابقہ مشاغل میں مصروف ہو گئے یا انہوں نے معاش کے لئے نئے وسائل اختیار کر لئے اور چھوٹی سی جماعت باقی رہ گئی تھی۔ جو پہلے کی طرح جہادِ آزادی کے مسلک پر قائم رہی۔ مثلاً شیخ حسام الدین رح، ماسٹر تاج الدین انصاری رح، مولانا عبدالقادر قصوری رح، خواجہ عبدالرحمٰن غازی رح، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رح، مولانا مظہر علی اظہر رح، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رح، مولانا داؤد غزنوی رح، چودھری عبدالعزیز بیگووالیہ رح یا ایسے ہی دوسرے افراد۔ انہی میں سے ایک چودھری صاحب بھی تھے جنہوں نے ابتداء میں قربانی کا جو فیصلہ کیا تھا اس پر برابر قائم رہے۔ ان کے ساتھ مجاہد رضاکاروں کی ایک جماعت تھی۔ تاہم اس چھوٹے سے گروہ نے مختلف قومی، جماعتی اور مذہبی تحریکوں میں جو کارنامے انجام دیئے۔ ان کی تفصیلات بیان کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔ چودھری افضل حق مرحوم کو تمام سرگرمیوں کی تنظیمات میں ممتاز حیثیت حاصل رہی۔ وہ بسترِ علالت پر بھی ہوتے تو برابر غور و فکر اور بحث و مشورہ میں مشغول رہتے اور ان کی طرف سے ضروری ہدایتیں مسلسل جاری ہوتی رہتیں۔ جب مختلف قومی تحریکوں میں کشمکش و انتشار پیدا ہوا۔ تو دسمبر ۱۹۲۹ء میں اسی مختصر گروہ نے جماعت احرار کی بنیاد رکھی۔ اس جماعت کے بعض افکار و اعمال یا فیصلوں سے کسی کو کتنا ہی اختلاف رہا ہو لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ مسلمانوں کی بہبود و سربلندی اور ملک کی آزادی کا نصب العین ہمیشہ احرار کی تمام سرگرمیوں کا مرکز و محور رہا۔

پیکرِ اسلامیت: چودھری صاحب مرحوم کی بعض خصوصیتیں ایسی ہیں جو بظاہر شائد متضاد معلوم ہوں یا ان کی اہمیت کا اندازہ نہ کیا جا سکے۔ مثلاً وہ آزادی کی تحریک میں ہر جماعت سے دلی تعاون کے حامی تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمان آزادی کے جہاد میں علمدار کی حیثیت اختیار کریں۔ اس کے ساتھ وہ شانِ اسلامیت کی بحالی میں اس درجہ سرگرم تھے۔ کہ انہیں اس بارے میں "متعصب" قرار دینا بھی شائد غلط نہ ہو۔ وہ تبلیغ کے پرجوش حامی تھے۔ اسلامیت سے شیفتگی ان کی رگ رگ میں رچی ہوئی تھی۔ لیکن وہ نظامِ اسلام پر عمل پیرائی کو اسلامیت

فرار

سمجھتے تھے محض نعروں کو اُنہوں نے کبھی مستحق توجّہ نہ سمجھا۔ وہ فرماتے تھے۔ کہ اسلام کا سیاسی اور اقتصادی پروگرام اختیار کرنا چاہیئے۔ ضروری ہے کہ اسلامی مساوات قائم ہو۔ مسلم یا غیر مسلم پر ظلم کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ بحیثیتِ انسان سب کو مساوی حقوق حاصل ہوں۔ جس معاشرے میں سیاسی اور اقتصادی مساوات نہ ہو۔ جہاں غریب نان و نفقہ کے محتاج ہوں۔ وہ اسلامی معاشرہ نہیں ہوسکتا۔ ان کے نزدیک اسلام ایک عالمگیر تحریک تھا۔ جو زبان و مکان کے قیود سے بالاتر ہے۔ اسلام دُنیا میں ایسی حکومت قائم کرنے کے لئے آیا تھا۔ جس کی بنیاد راست بازی، خوشں اخلاقی، عدل و انصاف اور اِنسانوں کی برابری پر ہو۔ اسی کا دوسرا نام حکومتِ الٰہیہ اور خلافتِ ربّانی ہے۔ اِن اشارات کی سچائی اور گرانمائیگی سے کسے اختلاف ہوسکتا ہے؟ اِسلام یقیناً عالمِ انسانیت کے ہر روگ کی حتمی دوا ہے۔ لیکن اگر کسی دوا کو شیشی یا ڈبیہ میں بند رکھا جائے اور استعمال نہ کیا جائے تو ظاہر ہے کہ کسی بھی بیماری کا ازالہ نہ ہوسکے گا۔

حُقّے سے نفرت: چودھری صاحب مرحوم کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ "حُقّہ نوشی" کے سخت مخالف تھے۔ اور ایک موقع پر تو اُنہوں نے تمباکو کے خلاف جہاد کو ایک اہم مقصد قرار دے لیا تھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ: "حُقّہ نوشی" انسان کو بیکار کردیتی ہے۔ "حُقّہ نوشں" قوم کے نزدیک وقت اور محنت کی کوئی قدر نہیں رہتی۔ ذرا "حُقّہ نوشں" مزدور کو عمارت کے کام پر لگا کر دیکھ لو تمہیں خود اس بیان کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ سکھ زمینداروں کو دیکھو بہت تڑکے ہل چلانا شروع کرتے ہیں اور دوپہر تک برابر لگے رہتے ہیں۔ لیکن مُسلمان زمیندار کی یہ حالت ہے کہ تھوڑی دیر ہل چلایا پھر حُقّہ پینے لگے۔ وہ سکھ زمیندار کا مقابلہ کیونکر کرسکتے ہیں۔

محترّم قومی مجُاھد: غرض چودھری صاحب بڑے ہی قابلِ قدر رہنما اور حددرجہ واجب الاحترام قومی مجاہد تھے ایسے جلیل القدر افراد قوموں میں روزانہ پیدا نہیں ہوتے۔ لباس حددرجہ سادہ، رہن سہن حددرجہ سادہ حُسنِ اخلاق کا یہ عالم کہ چھوٹا ہو یا بڑا سب سے انتہائی دلجمعی کے ساتھ باتیں کرتے تھے۔ ہر شخص کی بات سُنتے۔ خواہ وہ ان کا کتنا ہی مخالف ہوتا۔ کبھی کسی اختلاف پر ناراض نہ ہوتے کبھی کسی سے ذاتی تعلّقات میں فرق نہ آنے دیا۔ اگرچہ اِس کا دائرہ عمل کتنا ہی مُختلف ہوتا۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایسی ہی پُرخلوص زندگی بسر کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

(منقول از روزنامہ "آفاق" - لاہور

۲ر فروری ۱۹۵۷ء)